جب زرد ہو موسم اندر کا

کہانی

آخری قسط

رینو بھل

> کبھی کبھی کچھ باتیں اندر تک زخمی کر دیتی ہیں مگر کبھی کبھی ان کہی باتیں انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ وہ بھی سر جھکائے سب باتیں خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اٹھنے سے پہلے اک نظر رونق کی تصویر پر ڈالی جس پر تازہ پھولوں کا ہار لٹک رہا تھا اور اس کی مخصوص مسکراہٹ اسے بے چین کر گئی۔

’کیا؟‘ اس طرف سے فوراً جواب نہیں آیا تو اس کے دل میں وسوسے اٹھنے لگے، ’میں نے تو ابھی واٹس اپ پر پڑھا۔‘

’کیا پڑھا؟ بتاؤ تو؟‘ اس نے گھبرا کر پوچھا۔

’رونق کے بیٹے کا میسج آیا ہے کہ رونق اس دنیا میں نہیں رہا۔‘

یہ سنتے ہی اس کا جسم بالکل ٹھنڈا پڑ گیا جیسے ایک دم کسی نے اس کے پورے بدن کا خون نچوڑ لیا ہو۔ ادھر سے ’ہیلو ہیلو‘ کی آواز اس کے گوش سے ٹکراتی رہی اور اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ کوئی جواب دے سکے۔ دماغ سن جسم شل، ہاتھ پیر پھول گئے۔ ایک ہی سوال وہ خود سے دوہرا رہی تھی ’بنا طے بنا کچھ کہے وہ اسے چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہے؟‘ اس طرح وہ چلا جائے گا یہ تو اس نے سوچا نہ تھا۔ اس کی چھٹی حس تو بہت تیز تھی۔ وہ اسے کیسے دغا دے گئی؟ ایک طوفان اس کی طرف رواں تھا اور اسے بھنک بھی نہ پڑی؟ تذبذب کی کیفیت سے سنبھلی تو جی نے چاہا کہ کہیں دور بھاگ جائے یا ایسی جگہ چھپ جائے جہاں کوئی اسے ڈھونڈھنے نہ آ سکے مگر انسان کے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ غم ہو یا خوشی برداشت تو کرنا ہی پڑتا ہے۔

وہ رات اس نے جاگ کر انگاروں پر کاٹی۔ کوئی نہیں تھا اس کے پاس جو دو بول تسلی کے بول کر اسے دلاسہ دیتا۔ گھر کے در و دیوار اس کے غمگسار تھے، اشکوں میں بھیگی رات دھیرے دھیرے سرکنے لگی۔ رونق کے ساتھ گزارے ماہ و سال اس کے دل و دماغ پر چوٹ کرتے رہے۔

صبح گیارہ بجے رونق کو سپرد آتش کیا جانا تھا۔ اس کے بیٹے نے موبائل پر اسے میسج بھیج دیا تھا۔ دل نے چاہا تھا کہ آخری بار اس کی صورت دیکھ لے مگر ہمت جواب دے گئی۔ وہ اسے رخصت ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ نہ ہی اس میں اتنا حوصلہ تھا کہ اپنی آنکھوں سے اس کے وجود کو مٹتا دیکھے اور نہ ہی وہ لوگوں کو اپنا چہرہ پڑھنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

پو پھٹتے ہی وہ شہر سے نکل گئی۔

سارا دن اس نے اولڈ ایج ہوم میں بزرگوں کے ساتھ گزارا۔ جسمانی طور پر وہ ان لوگوں کے ساتھ تھی مگر ذہن کی اڑان اس کے بس میں کہاں تھی۔ پرندے جتنی مرضی اونچی اڑان بھر لیں، تھک ہار کر وہ اپنے گھونسلے میں ہی لوٹتے ہیں۔ دیر رات وہ بھی تھک ہار کر واپس اپنے خاموش، تنہا ویران آشیانے میں اپنا بوسیدہ بوجھ اٹھائے لوٹ آئی تھی۔

بہت سے سوال دن رات اسے پریشان کر رہے تھے۔ ان کا جواب تلاش کرنے، دل سے مجبور وہ رونق کے گھر ماتم پرسی کے لیے پہنچ گئی۔ صف ماتم پر میگھنا کے ساتھ اس کی بیٹی اور کچھ قریبی رشتے دار بھی موجود تھے۔ اس نے افسوس ظاہر کرنے کے بعد صرف اتنا ہی پوچھا کہ سرجری ہوئی تھی یا ابھی ہونی تھی؟

میگھنا نے ایک ہی سانس میں نہ جانے کتنی کہانیاں سنا ڈالیں۔ کبھی کبھی انسان صدمے کی وجہ سے بالکل خاموش ہو جاتا ہے تو کبھی کچھ زیادہ بولنے لگتے ہیں کہ انہیں پتہ نہیں چلتا وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میگھنا بولے چلے جا رہی تھی اور سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔ اس نے بتایا، ’آپریشن بالکل ٹھیک ہوا۔ I.C.U سے باہر آ گئے۔ دوستوں کو میسج بھی کیا کہ میں ٹھیک ہوں۔ میرے منع کرنے کے باوجود چند قریبی دوستوں سے فون پر بات بھی کی۔... صبح چھٹی ہو جانی تھی۔ شام کو مجھے گھر جانے کو کہا کہ کمرہ ٹھیک کروا دینا۔ میں گھر جا کر آرام کرنا چاہوں گا۔ زیادہ لوگوں سے ملوں گا نہیں۔... صبح مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ ناشتہ بھی کیا۔ پھر اچانک انہیں بے چینی سی محسوس ہوئی۔... اسی وقت ڈاکٹر کو بلایا۔ جب تک ڈاکٹر آیا تو انہوں نے میرے بازوؤں میں آخری ہچکی لی اور گردن لڑھک گئی۔... اسپتال میں ہی ڈاکٹروں کے سامنے دیکھتے دیکھتے سب ختم ہو گیا۔‘ یہ کہہ کر وہ سسکنے لگی۔ اس نے حوصلہ دیا۔ بیٹی پانی لے آئی۔

کچھ پل خاموشی چھائی رہی۔ پھر وہ گویا ہوئی، ’کچھ عرصے سے بہت بدل گئے تھے۔ بہت خیال رکھنے لگے تھے میرا۔... ضد کرتے تھے کہ کھانا بنا لو، ایک ساتھ ہی کھائیں گے۔... اسپتال میں آ کر تو ضد اور بھی بڑھ گئی تھی۔... چائے پینے سے پہلے کہتے، ”پہلے تم پی لو۔ میں اسی میں بعد میں پیوں گا۔ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھا لیتے ہیں۔ تم میرے پاس ہی بیٹھو۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔“ مجھے اپنے سے دور بالکل نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے، ’میگھو، یہ حقیقت ہے کہ ایک نہ ایک دن تو سب کو جانا ہے مگر میں رب سے ہمیشہ یہ دعا کرتا ہوں، پہلے وہ مجھے بلا لے۔ میں تمہارے بن زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔“ میں نے کہا، ”بڑے خود غرض ہو جی، صرف اپنی سوچتے ہو۔... میں بھلا آپ کے بنا کیسے رہ پاؤں گی۔“ کہنے لگے، ”کیا ہی اچھا ہو اگر ہم دونوں ایک ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔“ میں نے کہا، ”ایسا بھلا ہوتا ہے کبھی؟“ بولے، ”سڑک حادثہ بھی تو ہو سکتا ہے۔“... دیکھو بھلا ان کی تو مراد پوری ہو گئی اور میں پیچھے رہ گئی اکیلی۔‘ یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔

پاس بیٹھی بہن نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا، ’تو خود کو اکیلی کیوں کہتی ہے۔ اکیلے ہوں تیرے دشمن۔... بھرا پورا پریوار چھوڑ کر گئے ہیں، بھائی صاحب۔... رب تیری اولاد کو سلامت رکھے۔ ابھی تو تمہیں ان کی خوشیاں دیکھنی ہیں۔‘

پاس بیٹھی بیٹی بولی، ’پاپا تو آج کل ماں کا ایسے خیال رکھتے تھے جیسے نئی دلہن ہو۔ اس روز بازار سے خود ہی دو جوڑے ان کے لیے لے کر آئے اور بولے، ایسے کھلے کھلے رنگ پہنا کرو۔ مجھے یہ پھیکے رنگ بالکل پسند نہیں۔‘

کبھی کبھی کچھ باتیں اندر تک زخمی کر دیتی ہیں مگر کبھی کبھی ان کہی باتیں انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ وہ بھی سر جھکائے سب باتیں خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر اٹھنے سے پہلے اک نظر رونق کی تصویر پر ڈالی جس پر تازہ پھولوں کا ہار لٹک رہا تھا اور اس کی مخصوص مسکراہٹ اسے بے چین کر گئی۔

گھر جانے کے بجائے اس نے گاڑی کا رخ سمندر کی طرف موڑ لیا۔ میگھنا کی کہی ان کہی باتیں اس کے کانوں میں گونجتی رہیں۔ دل پر نشتر چلاتی رہیں۔ مچلتی لہروں کو ساحل سے سر ٹکراتے واپس لوٹتے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح وہ اسے اپنی جیسی لگیں۔ لہروں کا تلاطم اور اس کے اندر کے طوفان میں کوئی فرق نہ تھا۔ ننگے پاؤں وہ سمندر کی طرف بڑھ گئی۔ خود سے وہ سوال کر رہی تھی کہ جس کے نام اس نے اپنی ساری زندگی کر دی، وہ اس کا کیا تھا؟ رونق کی زندگی میں اس کا کیا مقام تھا؟ کیا سچ مچ وہ سب رونق نے میگھنا کو کہا ہوگا؟ اگر ہاں تو جو ساری عمر اس سے کہتا آیا جنم جنم کا ساتھ نبھانے کا وعدہ وہ سب فریب تھا؟ کیا میگھنا اسے جلانے کے لیے یہ سب کہہ رہی تھی؟

انہی سوالوں میں الجھی وہ خود کلامی کرنے لگی، ’بدل تو وہ گیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ شوخ رنگ اسے پسند تھے۔... کیا اس نے ضروری نہیں سمجھا کہ آپریشن کے بعد ایک فون یا میسج مجھے بھی کر دیتا؟... کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ میں بھی پریشان ہوں گی۔... میگھنا کے پاس تو اس کی اولاد ہے مگر میرے پاس کیا ہے؟... میرے پاس تو صرف وہ ہی تھا۔‘

سمندر کی تیز لہریں اس رفتار سے بل کھاتی لہراتی ساحل سے ٹکرا رہی تھیں اور وہ اپنے وجود اپنے آپ کو خود میں تلاش کرتے یادوں کے طوفان سے لڑ رہی تھی۔ اتنے دنوں سے وہ جس کا ماتم کر رہی تھی، آج اسے لگا وہ تو اس کا تھا ہی نہیں، وہ تو کسی اور کا تھا۔ ساری عمر وہ پرچھائیں کے پیچھے بھاگتی رہی۔ اس پرچھائیں کی اوٹ میں سکون تلاش کرتی رہی۔ پرچھائیں لمبی ہو جاتی تو کبھی چھوٹی اور وہ اس کی اوٹ میں سمانے کے لیے اپنا وجود اس کے حساب سے سمیٹ لیتی۔ آج اس پرچھائیں کا سایہ بھی چھن گیا۔ بنا سائبان کے اس کو اپنا وجود کڑی دھوپ میں ننگے سر صحراؤں میں سلگتا، جھلستا محسوس ہوا۔ اس تپش سے نجات پانے کے لیے اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور آنکھیں بند کر کے دور سے آتی لہروں کے حوالے کر دیا۔ شور مچاتی لہریں آئیں، اس سے ٹکرائیں، وہ لڑکھڑا کر گری اور لہریں اپنے ساتھ سمندر میں بہا لے گئیں۔ آنکھیں موندے پرسکون آخری سانس کے اکھڑنے کی منتظر تھی کہ دوبارہ سے تیز آتی لہروں نے اسے واپس ساحل کی طرف دھکیل دیا اور اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اسے کھینچ کر ریت پر پٹخ دیا ہو۔

یک دم اس نے آنکھیں کھول دیں، اپنے چاروں طرف دیکھا۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ ہلکی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور وہ اس جانے پہچانے لمس کی خوشبو اپنی رگوں میں سرایت کرتی محسوس کرنے لگی۔ رونق کی مخصوص مسکراہٹ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔ اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔ وہ اس کی مسکراہٹ، اس کی آنکھوں میں کھو کر سب بھول جانا چاہتی تھی۔ ان آنکھوں میں ڈوب کر اپنے اندر کلبلاتے سوالوں کے جواب تلاش کرنا چاہتی تھی۔ شاید ان سوالوں کے جواب وقت کے پاس ہوں یا پھر تا عمر وہ ان کی تلاش میں بھٹکتی رہے مگر ایک بات کی گواہی اس کا دل بڑے وثوق سے دے رہا تھا کہ رونق مجبور تو ہو سکتا ہے، بے وفا ہرگز نہیں اور اس کے جینے کے لیے دل کی یہ دلیل ہی کافی تھی۔

ہلکی چاندنی نے رات کی تاریکی کو کم کر دیا تھا۔ بالکل اس کی زندگی کی طرح۔ کچھ عیاں تھا، کچھ نہاں۔ لہریں اسی رفتار سے شور مچاتی ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔ نرم ٹھنڈی ہوا اس کے جسم میں سرسراہٹ پیدا کر گئی۔ اپنے بکھرے وجود کو پھر سے سمیٹ کر وہ زندگی کی جانب مڑ گئی۔ ■

1505, Sector 49B, Chandigarh-160047

> گھر جانے کے بجائے اس نے گاڑی کا رخ سمندر کی طرف موڑ لیا۔ میگھنا کی کہی ان کہی باتیں اس کے کانوں میں گونجتی رہیں۔ دل پر نشتر چلاتی رہیں۔

مقبول شاعر
مشہور غزل

درد بڑھ کر دوا نہ ہو جائے
زندگی بے مزا نہ ہو جائے

ان تلون مزاجیوں کا شکار
کوئی میرے سوا نہ ہو جائے

لذت انتظار ہی نہ رہے
کہیں وعدہ وفا نہ ہو جائے

تیری رفتار اے معاذ اللہ
حشر کوئی بپا نہ ہو جائے

کامیابی ہی کامیابی ہو
تو یہ بندہ خدا نہ ہو جائے

میری بیتابیوں سے گھبرا کر
کوئی مجھ سے خفا نہ ہو جائے

کچھ تو اندازۂ جفا کیجیے
دل ستم آشنا نہ ہو جائے

کہیں ناکامیٔ اثر آخر
مدعائے دعا نہ ہو جائے

وہ نگاہیں نہ پھیر لیں اخترؔ
عشق بے آسرا نہ ہو جائے

علیم اخترؔ مظفر نگری

ایک شاعر
ایک غزل

ہمارا چاک وہ داماں نہیں کرتے تو کیا کرتے
زمانے بھر کو یوں حیراں نہیں کرتے تو کیا کرتے

بڑے ہی ناز سے ظالم نے ہم سے جان مانگی تھی
نچھاور پھر بھلا ہم جاں نہیں کرتے تو کیا کرتے

مریض عشق بھی دل کی تسلی کے لیے آخر
طواف کوچۂ جاناں نہیں کرتے تو کیا کرتے

خدا ناراض تھا جب تو خدا کے نیک بندے بھی
گوارا تلخیٔ دوراں نہیں کرتے تو کیا کرتے

کوئی قیمت نہیں جن کی زمانے میں بھلا پھر وہ
خود اپنے آپ کو ارزاں نہیں کرتے تو کیا کرتے

خرد کے ساتھ ہی اہل خرد نے ساتھ چھوڑا جب
جنوں میں چاک وہ داماں نہیں کرتے تو کیا کرتے

تمہارے بعد کوئی دل کو بھایا ہی نہیں جب تو
تمہیں ہم یاد بھی جاناں نہیں کرتے تو کیا کرتے

مسیحا تھک گئے جب تو بچارے درد کے مارے
خود اپنے درد کا درماں نہیں کرتے تو کیا کرتے

ہمارے بخت میں تاریکیاں فیاضؔ ایسی تھیں
چراغاں ہم سر شام نہیں کرتے تو کیا کرتے

ڈاکٹر فیاض احمد علیگ

Dua Clinic,
Nandaon Morh, Saraimir,
Azamgarh-276305

3 غزلیں

پھولوں میں چھپی ہوش ربا ہے کہ غزل ہے
اوڑھے ہوئی خوشبو کی ردا ہے کہ غزل ہے

دیکھیں یہ قیامت ہے ادا ہے کہ غزل ہے
دلبر کا سراپا ہے قضا ہے کہ غزل ہے

کلیاں جو امیدوں کی ابھی پھول بنی ہیں
گزری جو چمن سے یہ صبا ہے کہ غزل ہے

تنہائی کی یلغار سے مایوس نہ ہونا
بیمار محبت کی دوا ہے کہ غزل ہے

مومن کی اصالت ہے یہ معراج محبت
سجدے میں جبیںؔ اس کی سدا ہے کہ غزل ہے

جبیںؔ نازاں

Lakshmi Nagar,
New Delhi-110092

رات کچھ یوں ہوا سی چلی تھی
لو جسے کہیں سلگتی تھی

جس میں آہوں کا شور برپا تھا
ایسی بارش کہیں برستی تھی

دور شاخوں پہ غول چڑیوں کے
آ کے رکتے تھے شام ڈھلتی تھی

دیے آنکھوں میں جلنے لگتے تھے
جب وہ اس کے خطوط پڑھتی تھی

میری کیاری کے نرم پھولوں سی
چمپئی رنگت وہ دمکتی تھی

مدثر جہاں

71, Noor Nagar, Jamia Nagar,
New Delhi-110025

خود کو ہرگز نہ بیقرار کرو
وقت آئے گا انتظار کرو

خود کو ہرگز نہ شرمسار کرو
اپنی ہستی کو باوقار کرو

میرے آقا نے یہ سکھایا ہے
دشمنوں سے بھی آؤ پیار کرو

دوست کتنے ہیں جاننے کے لئے
اپنے زخموں کو تم شمار کرو

لوگ جھوٹا تمہیں ہی سمجھیں گے
اپنی ہستی کو باوقار کرو

رہبرؔ گیاوی

Book Emporium,
Sabzi Bagh, Patna-800004